

جینی نے صوف کے نیچے سے جو توں کا ایک جوڑا نکلا اور پنگ پر پدا کوٹ انہار دونوں باہر پھینک دیئے۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے دروازہ بند کیا۔ جلدی سے کمرے کی تمام چیزیں اپنی اپنی جگہ پر رکھیں اور پھر تپانی پر رکھی شراب کی بوتل اور گلاس کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی۔

”میو گے؟“

سان نے سر بلادیا ”نہیں“
اس نے بوتل اور گلاس ساتھ والی الماری میں رکھ دیئے اور پھر صوف پر بیٹھی۔

سان ابھی تک دروازے کے پاس ہی کھرا تھا۔

”آؤ بیٹھو سان۔“ جینی ایک طرف ہو گئی۔ وہ اب مکمل طور پر ہوش میں تھی۔

سان اب اسی جگہ آکر بیٹھ گیا جہاں تھوڑی دیر پہلے وہ گنجائی مرو لیتا ہوا تھا۔

”صرف میرے لیے تم نے خواہ مخواہ اپنے۔ کاروبار کا ستیاہاں کر دیا۔“

کوئی بات نہیں۔“ جینی خوشدی سے نہ دی۔ ”کاروباری لوگ بھی تو کبھی

کبھار اپنے کاروبار سے آکتا کر چھٹی کر لیتے ہیں۔“

وہ اس وقت اتنی باوقار اور پرسکون لگ رہی تھی کہ یہ گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ چند لمحے پہلے یہی لڑکی شراب کے نشے میں مدھوش جیخ رہی تھی۔

”تم نے نیزوی لینڈ میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہونے کے لیے جو درخواست دی تھی اس کا کیا ہوا؟“ سان نے یونہی پوچھ لیا۔

”ہونا کیا ہے۔ آج سفارت خانے سے خط آیا ہے کہ میری درخواست مٹا پیشی“ کے خانے کے آگے میں نے صرف ”کاروباری عورت“ لکھا ہے جو کافی نہیں وہ چاہتے ہیں کہ میں اپنے پیشے کے بارے میں تفصیل سے لکھوں تاکہ وہ میرے لئے وہاں اسی سے متعلق کسی نوکری کا انتظام کر دیں۔ اب تم ہی ہاؤ میں انسیں کیا تفصیل سمجھوں؟“ ”ہاں۔۔۔ یہ تو ہے!“ سان نے بے دھیانی میں کہا۔ اسے سخت نہیں آ

ری تمی

کافی پوچھے؟ جینی کو یک دم خیال آیا۔

”تم آرام کیوں نہیں کرتیں۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔“

”تمہارے اپنے ڈبے کی ہے اور اب بت کم باقی رہ گئی ہے۔“ جینی فوراً اٹھ کر ہوئی اور کونے میں جا کر سشو جلا کر کافی تیار کرنے لگی۔

”آج پاسکل کو ملنے گئے تھے؟“ اس نے مرٹر کو پوچھا۔

”ہاں۔“ سنان نے سر ہلا دیا۔

”سارا دن اسی کے پاس رہے۔“

سنان نے پھر سر ہلا دیا۔

”کیسی ہے وہ؟“

”بس ٹھیک ہے۔“ سنان نے آہستہ سے کہا۔ ”کل شام زیادہ چلنے سے اس کے درد میں اضافہ ہو گیا تھا۔“

”بے چاری“ جینی کے لمحے میں ہمدردی تھی۔ کافی تیار کر کے وہ واپس صوفے پر آکر بیٹھ گئی اور پیالیاں تپائی پر رکھی دیں۔

سنان نے ایک پیالی اٹھائی اور چپکے سے کافی پینے لگا۔ عجیب لڑکی ہے۔ ابھی وہ پاسکل کا نام کس خاترات سے لے رہی تھی اور اب اس کے لمحے میں سوائے ہمدردی اور رحم کے جذبات کے اور کچھ نہ تھا۔

”جینی“ اس نے سراخا کر ایک دم پوچھا۔ ”کیا پیرس میں کرسس واقعی بے حد خوبصورت ہوتی ہے۔“

”کرسس؟“ جینی نے چوک کر کہا ”کیوں؟ تمہیں کیسے خیال آ گیا؟“

”بس ایسے ہی!“

”کرسس کے توار کی کوئی بھی یاد میرے لیے خوش گوار نہیں ہے۔“ جینی نے کافی کی پیالی تپائی پر رکھ دی اور اداس ہو کر کھنے لگی۔ ”جب میں چھوٹی تھی تو ماربلز

میں کرمس کی شام شراب خانے میں بے حد رش ہوا کرتا تھا۔ میری ماں کو دہل ٹھرم
شب کام کرنا پڑتا تھا۔ میں اس دوران میں ایک کونے میں بینچ کرمس کا میٹھا گل
کھاتی رہتی جو میری ماں میرے لیے ایک روز پہلے بنایا کر رکھ لیتی تھی۔ شراب کے نئے
میں دست لوگ میرے پاس آتے اور کہتے ”آہا! کتنی خوبصورت گڑیا ہے۔ آج ٹھرم
اس کے گالوں پر بوسہ دینے سے آئندہ سال خوش گوار گزرے گا۔“ اور پھر وہ جمک
کر نیک ٹھگون کی خاطر میرے گالوں پر بوسہ دیتے اور میرے فراں کی جیب میں لو
چار سکے ڈال دیتے۔ ”گڑیا! تم اپنے لیے ایک گڑیا خرید لیتا۔“ جوں جوں میں جوان
ہوتی گئی دینے جانے والے سکون میں اضافہ ہوتا گیا۔ خیریہ تو تھی بچپن کی کرمس
اور پیرس۔ میں بازار سے کرمس کا ایک درخت خرید کر لے آتی ہوں۔ اے
جمالوں اور چھوٹے تمثیلوں سے سجا تی ہوں اور پھر تمام شب ایکلی بیٹھی اسے بھی
رہتی ہوں۔ تمہیں شاید معلوم ہو گا کہ کرمس کو خاندان کے تمام افراد ایک دوسرے
کے لیے تھنے خرید کر انہیں رنگین کاغذوں میں لپیٹ کر کرمس کے درخت کے ساتھ
لٹکا دیتے ہیں اور پھر جب نصف شب کلیساوں کے گھریوال بجتے لگتے ہیں تو وہ یہ تھنے
درخت سے اتار کر ایک دوسرے کو پیش کر دیتے ہیں۔ تحفوں پر لپٹے رنگین کاغذ
کھولتے ہوئے ان کے چہرے سرت سے دمک رہے ہوتے ہیں۔ جانے انہیں ان کے
بھائی، والد یا دوست نے کرمس پر کیا تھنہ دیا ہے؟ میں بھی بازار سے ایک اچھا ما
تحفہ خرید لاتی ہوں۔ اپنے لیے! اسے درخت سے لٹکا کر نصف شب کا انتظار کلتا
ہوں۔ گھریوال بجتے ہیں تو میں اپنے کرمس درخت کے ساتھ لٹکا ہو اپارسل کھول کر
اس طرح دیکھتی ہوں جیسے اس میں بند تحفہ میرے لیے ان دیکھا ہو اور یہ تھنے کسی
اور نے۔ کسی دوست نے مجھے دیا ہو۔ پیرس کا یہ حصہ اتنا غریب ہے کہ یہاں؟
کرمس کے گیت گانے والے نئے نئے بھی نہیں آتے۔

”کرمس کو بے شمار پاریاں بھی تو ہوتی ہوں گی۔“ سنان نے یہی سوال آج ۲۴
پا سکل سے بھی کیا تھا۔

مہوتی ہوں گی۔ ”جنی نے بے دل سے کہا۔ ”مگر مجھے کوئی نہیں بلتا۔“

نان نے کافی ٹھیک کر کے پیالی تپائی پر رکھ دی اور جیب میں سے سگرٹ نکال کر لے لیا۔ جنی نے ہاتھ بڑھا کر سگرٹ اس کی الگیوں سے علیحدہ کر کے اپنے منہ میں دپالیا۔ ”تم دوسرا سلاگا لو۔“ اس نے ایک گمراہش لگایا اور پھر کرنے لگی۔

”کیا تم کرس تک پیرس میں ہی نہ ہو گے؟“

”نہیں ایسا تو نہیں۔“

”تو پھر تمہیں بیٹھے بٹھائے پیرس کی کرس کے بارے میں جانے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟“

نان نے دوسرا سگرٹ سلاگا اور کش لگا کر کرنے لگا۔ ”پاسکل کی خواہش ہے کہ میں کرس تک پیرس میں ہی رہوں۔“

جنی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور جلدی سے اپنا سگرٹ ایش ٹرے میں مسل دیا۔ پھر تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟“

”میں سیاح ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ ایک جگہ رہنے سے میرے پاؤں زمین میں دھنس جائیں اور میں ہیشہ کے لیے ساکت ہو کر رہ جاؤں۔“

”ایک جگہ رہنے سے ہی۔ ساکت ہونے سے ہی۔ شانxis پھوٹتی ہیں۔ پھر ان میں پھول لگتے ہیں۔“

نان نے حیرت سے جنی کی طرف دیکھا۔ اتنا خوبصورت تخلی۔ ”— ورنہ سب کچھ سوکھ جاتا ہے نان۔“ جنی کی آنکھوں میں بھی وہی خواہش کروٹیں بدل رہی تھی جس کا انظمار آج و پھر پاسکل نے بھی کیا تھا۔

نان نے سگرٹ کا آخری کش لگا کر ایش ٹرے میں ڈال دیا اور خاموشی سے اٹھ کر ڈالا۔ جنی وہیں خاموش بیٹھی اسے سنتی رہی۔ ایش ٹرے سے ان بھجے سگرٹ کا دھواں اٹھ رہا تھا۔

”شب بیتر“ اس نے جلدی سے کما اور کمرے سے ماہر آگیا۔

تمام شب اس کے ذہن میں پاسکل کا مخصوص چڑہ ابھرتا رہا اور پھر ایک دور کی
آواز رات کے نائلے میں گونج جاتی۔ جینی کی آواز۔ ایک جگہ رہنے سے ہی۔
ساکت ہونے سے ہی۔ شانصیں پھوٹتی ہیں۔ پھر ان میں پھول لگتے ہیں۔ پھول
لگتے ہیں۔ پھول۔

○○○

دوسری صبح سنان اپنے کرے کے ایک کونے میں دیوار سے آئینہ لٹکائے شیو
ہالے میں مصروف تھا۔ اس نے کر کے گرد ایک تولیہ باندھ رکھا تھا۔ سنان ان لوگوں
میں سے تھا جو شیو بناتے وقت برش اور صابن سے خوب کھل کھلتے ہیں۔ نیتختاً اس
عمل کے اختتام پر ہر طرف جھاگ ہی جھاگ نظر آتی ہے۔ شیو کا سامان اور ان کا اپنا
جسم اس کی زد میں آتے ہیں مگر عسل خالے کے درود دیوار پر بھی جدید مصوری کے
کئی شاہکار جنم لے لیتے ہیں۔ اسی صورت حال سے منٹنے کے لیے وہ شیو بناتے ہوئے
مرف ایک تولیے میں ہی لمبوس تھا۔ پانی ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے جھاگ گاڑھی نہیں
بن رہی تھی۔ ایک مرتبہ ریزراست عتمان کرنے کے بعد وہ دوسری بار صابن اپنے چہرے
پر پھیلا رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے سر جھکا کر تولیے کے ایک کونے
سے گالوں پر لگا صابن پوچھا اور آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

باہر میڈم ڈی اپنے خزان ریسیدہ ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ سجائے اسے
نک تک نک رہی تھی۔ اس نے پہلے تو سنان کی کر کے گرد پہنچنے غصہ تولیے کی جانب
دیکھ کر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور پھر ایک دم کئنے لگی۔

”اوہ لا لا! تم ابھی تک تیار نہیں ہوئے؟“

”یا بات ہے میڈم ڈی؟“ اس نے تولیے کی گرد کو تھانتے ہوئے ناگواری سے
پوچھا۔

”تم تو کہتے تھے کہ میں ایسی رومانی ہم جوگی کے لیے موزوں نہیں ہوں!“
سنان کو خیال آیا کہ ہوں نہ ہو میڈم کو پچھلی شب کے ہنگامے کی خبر ہو گئی ہے۔

”کیسی رومانی مم جوئی؟— وہ تو۔۔۔ ہم دنوں صرف کافی پی رہے تھے“
”میں چینی کی بات غمیں کر رہی۔ وہاں تو صرف رومانی رومان ہے۔ مم جوئی،“
مرحلہ نوٹوں سے ہی طے کر لیا جاتا ہے۔“

سان کو غصہ آگیا۔ میدم ڈی نے شاید چکلی لگانے کے لئے شام کا بھی انتقال
نمیں کیا۔

”آپ برانہ مائیں تو اس وقت مجھے تیار ہو کر کہیں باہر جانا ہے۔“

”میں تو برانیں مانوں گی مگر وہ چھوٹی سی موٹی سی عورت جو پچھلے دس منٹ سے
نیچے گلی میں تمہارا انتقال کر رہی ہے وہ ضرور برانے گی“ میدم ڈی نے کمزی کی
طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”اوہ“ سان نے سرہلا دیا اور جلدی سے کمزی سے نیچے جھانکا۔

فت پاتھ کے کنارے فراشی کار سڑکان کے سب سے نخے منے ماڈل میں
شیرنگ تھامے منہ پھلانے پاسکل بیٹھی تھی۔

”صحیح بیٹیر“ سان نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

پاسکل نے بڑے آرام سے سراخا کر اور سان کی جانب دیکھا۔

”کامل الوجود لڑکے تم ابھی تک تیار نہیں ہوئے؟“ اس نے جان بوجھ کراتے
نور سے کہا کہ فٹ پاتھ پر چلنے والے راہ گیر منہ اٹھا اٹھا کر اور سان کی طرف دیکھنے
لگے۔ دو بوڑھی عورتیں وہیں رک گئیں اور سان کو ایسے گھورا جیسے کہہ رہی ہوں کہ
نیچے دفع کیوں نہیں ہوتے۔ کیوں اس نفحی سی جان کو بیکان کرتے ہو۔

”اوپر کمرے میں چلی آؤ پاسکل“ سان نے ہولے سے کہا۔

پاسکل نے کچھ کے بغیر نفی میں سرہلا دیا اور انگلی کے اشارے سے اسے نیچے
آئے کو کھافت پاتھ پر کمزی ہوئی بوڑھی عورتوں نے سان کو قرآنکو نظروں سے دیکھا
جیسے وہ اس بات سے ناخوش ہوں کہ ایک ایسا لڑکا جس کے بدن پر بنیان تک نہیں
ہے اس بھولی بھالی لڑکی کو اپنے کمرے میں آنے کی دعوت کیوں دے رہا ہے اور پھر

تھے جل دیں۔

”بھی آیا“ نان نے جلدی سے کما اور کھڑکی بند کر دی۔ اس نے وہیں کھڑے کر، اپنے چہرے پر لگا باقی ماندہ صابن تو لیے سے پونچھا اور کپڑے بدلتے لگا۔

میڈم ٹھی ابھی تک دروازے کے پاس کھڑی تھی۔

”شکریہ میڈم“ اس نے جھک کر کہا۔

میڈم ٹھی ٹس سے مس نہ ہوئی۔

”شکریہ میڈم“ اس نے ایک مرتبہ پھر جھک کر کہا۔ ”میں نے کپڑے بدلتے ہیں۔“

میڈم ٹھی نے ایک نایت سرد ٹھم کی آہ بھری۔

”شرارتی لڑکا“ اس نے اپنی انگلی نان کے چوڑے سینے پر خوکتے ہوئے کما اور نہیں ہوئی کرے سے باہر نکل گئی۔

نان کپڑے بدلت کر نیچے گلی میں آیا تو پاسکل اسی طرح منہ بنائے کار میں بیٹھی تھی۔

”جیج بیگر“ نان نے بغیر چھت کی کار کے بیٹھل پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”وس نج رہے ہیں“ پاسکل نے سراٹھا کر اسے گھورا ”اور میں پورے پندرہ

منٹ سے یہاں کھڑی متواتر ہارن بجا رہی ہوں۔“

”اوپر کرے میں آ جاتیں۔“

”اتھی ساری یہڑیاں چڑھنے کی ہمت نہ تھی اور پھر تمہاری مالکن جو دروازے کے باہر کھڑی تھیں خود ہی کرنے لگیں کہ وہ تمہیں بلا لائیں گی۔“

”ہاں میڈم ٹھی“

”کھل اٹھی تھی تمہارا نام سن کر“ پاسکل نے منہ پنا کر کہا۔

”ہاں اس کی طبیعت میں بیجد شوفی ہے“ نان نے جواب دیا۔

”اس عمر میں بھی۔“ پاسکل سیر گل چھوڑ کر ساتھ والی نشت پر کھک گئی۔

”بھر حال۔ کار تم چلاو۔“

”میں؟ سنان گمراہیا۔

”ہاں۔ مجھ سے ٹھیک طرح بریک نہیں لگتی۔“

”ہم لوگ یہ بخ کام نہیں کرتے“ سنان نے بدے ٹھے سے سینہ پھلا کر کہا۔

”ہمارے ہاں کار چلانے کے لیے شوفر رکھے جاتے ہیں۔“

”واقعی؟“ پاسکل نے فوراً یقین کر لیا۔

”اور کیا!“ سنان بنس دیا اور پھر سنجیدہ ہو کر کہنے لگا ”تم ہی چلاو پاسکل۔ دراہل ہمارے پورے خاندان میں آج تک کسی کو کار خریدنے کی توفیق ہی نہیں ہوئی اور اسی لیے میں ڈرائیور گنگ کے معاملے میں بالکل کورا ہوں۔“

پاسکل نے اطمینان کا سانس لیا اور پھر ہستے ہوئے کہنے لگی ”چلو تم بھی کیا یاد کرو گے آج میں تمہارے شوفر کی حیثیت سے کار چلاوں گی۔“

”تو پھر میں پچھلی نشست پر بیٹھ جاتا ہوں“ سنان نے فراق سے کہا۔

پاسکل نے جواب میں اسے بڑی طرح گھورا اور وہ مسکراتا ہوا اس کے پلominہ

بیٹھ گیا۔

پاسکل نے کار شارٹ کر دی۔ موہارت کی بندگیوں میں سے نکل کر بجھس کے اپر ہاؤس سے گزر کر وہ کنگورو چوک میں آگئے۔

”اس چوک کا نام پہلے انقلاب کا چوک ہوا کرتا تھا۔ وہ سامنے جہاں اب اپکی خوبصورت فوارہ ہے گلوٹین گاڑھ کر لوئی شازدھم کا سر قلم کیا گیا تھا“ پاسکل نے بائیں طرف اشارہ کر کے اسے بتایا اور پھر کار بائیں ہاتھ پر ہی شازدھم پر موڑ دی۔ ”بلکہ مشائقی سے کار چلا رہی تھی مگر بار بار اس کی نظریں سامنے سرک سے ہٹ کر سنان، مرکوز ہو جاتیں۔ وہ اس بے جا التفات سے گھبراہٹ سی محسوس کر رہا تھا۔

”دیکھ کر کار چلاو خواہ چوک کوئی حادثہ کر بیٹھو گی۔“

”حادثہ تو ہو چکا ہے۔“ پاسکل نے شرارت سے کہا۔

وہ سنان کے منع کرنے کے باوجود اس کی طرف دیکھے چلی جا رہی تھی۔

”آخِر میری طرف کیا دیکھ رہی ہو؟“

ہمیوناں کا دیوتا اپالو یاد آ رہا ہے ”اس نے شوفی سے کہا۔

”جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے“ سنان نے جھینپتے ہوئے کہا ”اپالو

دریما نے قد اور گندی رنگ کا عام سا آدمی نہ تھا۔“

”وقت وقت کی بات ہے“ پاسکل کی آنکھوں میں شرارت ناج رہی تھی۔

”یہ کار تھماری ہے؟“ سنان اس موضوع سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا ”نہیں!

خالہ کی ہے؟“ پاسکل نے جواب دیا ”میری نائگ میں ابھی تک درد ہو رہا تھا اس لیے

میں نے ان سے مانگ لی۔ میں آج زیادہ نہیں چل سکتی صرف بیٹھ سکتی ہوں۔ میں نے

کہا تھا ان میں صرف تب تک ہی حسین لگتی ہوں جب تک کسی قوہ خانے کے کوئے

میں بیٹھی۔“

”تم نے اب اگر اس قسم کی کوئی بات کی تو میں کار سے نیچے اتر جاؤں گا۔“

چلتی کار سے ”سنان نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر دھمکی دی

”نہیں کروں گی“ پاسکل نے اپنا دایاں ہاتھ اس تیزی سے اوپر اٹھایا جیسے اسے

کسی نے بندوق دکھا دی ہو۔

” وعدہ؟“

”ہاں! بالکل وعدہ“ پاسکل نے اپنی عادت کے مطابق بچوں کی طرح سرہلا کر اقرار

کیا۔

سنان نے ہینڈل چھوڑ دیا اور جیب سے سگرت نکال کر سلکا لیا۔

پاسکل آج سفید لیس کے ایک نہایت ویدہ زیب لباس میں ملبوس تھی اور اس

نے اپنے کئے ہوئے ستری بالوں کے اوپر نیلے رنگ کا ایک ریشمی رومال باندھ رکھا تھا

لامبی پکلوں پر ہلکے نیلے رنگ کے میک اپ سے اس کی آنکھوں کی نیلاہٹ اور بھی

اجاگر ہو رہی تھی۔

آج پھر موسم بے حد خوشگوار تھا اور پورا شہر چکلی دھوپ میں نمایا ہوا تھا۔

”آج کمال جانے کا ارادہ ہے؟“

”پیرس سے باہر فانشین بلو کا رومانی جنگل ہے جہاں کسی زمانے میں فرانسیسی پارٹی
فکار کھیلا کرتے تھے۔ کیا خیال ہے؟“

”وہاں جا کر کیا کریں گے؟“

”پاکستانی لڑکیاں جنگلوں میں جا کر کیا کرتی ہیں؟“

”پاکستانی لڑکیاں سرے سے جنگلوں میں جاتی ہی نہیں۔ کم از کم لڑکوں کے ساتھ
نہیں جاتیں۔“ سنان نے ہنس کر کہا ”ویسے آج تم پر یہ پابندی عائد نہیں ہوتی کیونکہ
تم نے جھکے نہیں پہن رکھے۔“

”ہاں شاید تم ٹھیک ہی کہتے ہو وہاں جا کر کیا کریں گے اور پھر مجھے وہاں بہت
زیادہ چلتا پڑے گا۔“

ان کی چھوٹی سی کار شاز کی ٹریفک کے چوم میں بالکل ریگ رہی تھی۔ ان کے
آگے اور پیچے کاروں اور ٹیکسیوں کا ایک سمندر رواں تھا۔ سڑک کے ساتھ فٹ پاٹھ
پر بیدر ورنق تھی۔ تمام قوہ خانے بھی ٹسے پڑے تھے۔ اہل پیرس کی اکثریت اس چکلے
وں کی خوبصورتی کا حصہ باشندے کے لیے گھروں سے باہر نکل آئی تھی۔

سنان کو خیال آیا کہ پیرس میں آمد کے پہلے روز ”بوئے ڈی بولون“ کے علاقے
میں سے گزرتے ہوئے اسے وہاں کتنی خوبصورتی اور سکون کا احساس ہوا تھا اور اس
نے وہاں ایک روز واپس آنے کے بارے میں سوچا تھا۔ شرے سے باہر دریائے میں کا
پانی بھی اجلًا اور شفاف ہو گا۔ اس کے علاوہ پاسکل کا فلیٹ بھی تو اسی علاقے میں تھا۔
”کیوں نہ آج بوئے ڈی بولون میں دریائے میں کے ہرے بھرے اور پر سکون
کناروں پر پکنک مٹائی جائے؟“ سنان نے تجویز پیش کی۔

”لیکن مچھلیاں پکڑنے کے لیے بھی اور ڈوری کا انتظام کہاں سے ہو گا؟“ سنان

نے سر کھایا۔

«کلیسا نوڑؤیم کے پہلو میں پھولوں کا بازار ہے۔ وہاں مچھلیاں پکڑنے کا سامان بھی مل جائے گا۔» پاسکل نے سٹریگ پر ہاتھ مارتے ہوئے خوش ہو کر کما اور کاروہیں سے واپس سنکورو دچوک کی طرف موڑ دی۔ پاسکل کی اس حرکت پر باقی کاروں کے درائیوروں نے بے حد برا منایا کیونکہ شانز پر اس طرح مخالف سمت میں کار موڑنا خلاف قانون تھا۔ اس خنکی کا اظہمار انہوں نے اپنے ہارن بجا بجا کر کرنا شروع کر دیا۔ پاسکل نے صرف ناک سکیڈ کر مسکرا دینے پر ہی یہ تمام ہارن خاموش کر دیے۔ بھلا ایک خوبصورت لڑکی کو اتنا بھی حق حاصل نہ تھا کہ وہ قانون میں تھوڑا سا رودو بدل کر سکے۔ مثبت ہوا کہ فرانسیسی مرد قانون سے زیادہ حسن کا احترام کرتے ہیں۔

«تم اپنی خوبصورت مسکراہٹ کا ناجائز فائدہ اٹھاتی ہو؟» سنان نے پیچے مڑ کر ان تمام درائیوروں کی طرف ایک نظر کی جو ہارن بجائے کے علاوہ اپنی کاریں چلانا بھی بھول چکے تھے۔

«یہ تو کچھ بھی نہیں» پاسکل پھر مسکرا دی «میں نے آج تک سینکڑوں بار غلط جگہ پر کار کھڑی کی۔ ٹرینک کی روشنیوں کا کبھی خیال نہیں رکھا مگر پھر بھی آج تک میرا چالان نہیں ہوا۔ فرانسیسی پولیس کے سپاہی کو بھی یہی رشوت دی جاتی ہے۔»

«بری بات!» سنان نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہمار سرہلا کر کیا۔

سنکورو کے چوک میں پہنچ کر پاسکل نے کار دائیں ہاتھ موڑ دی اور وہ ایک پل پار کر کے «شر کے جزیرے» میں آگئے۔ میں ایک جگہ دو شاخوں میں بٹ جاتا ہے اور چند سو گز کے فاصلے پر دوبارہ مل جاتا ہے۔ ان دو شاخوں کے درمیان یہ چھوٹا سا جزیرہ «شر کا جزیرہ» کہلاتا ہے۔ کلیسا نوڑؤیم اور پھولوں کا بازار بھی یہیں پر واقع ہے۔

پھولوں کے بازار کے دونوں اطراف لکڑی کے کھوکھوں میں تازہ پھولوں کے انبار لگتے ہیں۔ یہ پھول پیرس کے گرد و نواح میں اگائے جاتے ہیں اور صبح سوریے گھوڑا

گاڑیوں اور ٹرکوں میں لاد کر ہیاں پہنچا دیے جاتے ہیں۔ پھولوں کے بازار کے سامنے ایک بازار صرف پرندوں کی خرید و فروخت کے لیے مخصوص ہے۔

کھوکھوں کے باہر کھڑے دو کانڈار پھولوں کے نام اور ان کی قیتوں کی آوازیں لگ رہے تھے۔ ایک پستہ قد دو کانڈار جس کے ہاتھ میں زرد گلاب کا ایک گلدستہ تمثیل کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا اور فرانسیسی میں کچھ کہا۔ سنان کھڑا ہو گیا۔ زرد گلاب بے حد خوبصورت لگ رہے تھے۔ کیوں نہ پاسکل کے لیے خرید لیے جائیں اس نے آگے بیٹھ کر دو کانڈار سے قیمت دریافت کی تو معلوم ہوا کہ بیس فرانک کے ہیں چنانچہ فوراً ارادہ ترک کر دیا اور صرف ایک پھول خریدنے پر ہی اتفاق کیا جو دو فرانک میں پڑا۔ پاسکل اس دوران میں مچھلیاں پکڑنے کا سامان تلاش کرتی رہی جو بالآخر بازار کے سرے پر واقع ایک غلیظ کھوکھے میں اونگھتے ہوئے فرانسیسی بوڑھے سے دستیاب ہو گیا۔

”دریائے سین میں مچھلی کا شکار کھینچنے کے لیے کم از کم کتنا سامان درکار ہو گا؟“
سنان نے بوڑھے کے آرام میں مخل ہوتے ہوئے دریافت کیا۔
بوڑھے نے ایک لمبی جمائی لی۔ اپنی فرانسیسی طرز کی بیری ٹوپی کی نوک پلک
ورست کی اور کھانس کر بولا ”کم از کم سامان—ہاں؟“

”ہاں!“ سنان نے اثبات میں سرہا بیا
بوڑھے نے ایک نظر پاسکل پر ڈالی اور اپنی بڑی ہوئی واڑھی کھجا کر کنے لگا ”د
امریکی بنیاں اور ڈوری پچاس فرانک۔ مچھلیوں کو پانی سے باہر نکالنے کا جال دس
فرانک۔ کائنے پر لگانے والے نعلیٰ کیڑے کوڑے بیس فرانک فی درجن۔ پاسکل گا
شب شکار کی ہوئی مچھلیاں رکھنے کے لیے دس فرانک۔ کل نوے فرانک موسیو!“
”کل نوے فرانک موسیو“ سنان نے بوڑھے کی نقل اتارتے ہوئے چڑ کر کما
”میں نے مچھلیاں پکڑنی ہیں بڑے میاں۔ مگر مجھے نہیں۔ نوے فرانک بہت زیادہ ہیں۔“
اور کھوکھے سے باہر جانے لگا۔

بڑھے نے سنان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا "آپ کا ارادہ واقعی مچھلیاں پکڑنے کا ہے یا مقصد میڈ موزیل کے ساتھ ایک خونگوار دوپر گزارنا ہے" "بس بین ہیں ہی سمجھو" سنان نے فرانسیسیوں کی طرح اپنے کندھے سکیر کر

جواب دیا۔

"تو پھر—" اس نے کونے میں پڑے ایک لکڑی کے صندوق کو کھولتے ہوئے سنان کو مژدہ سنایا "میرے پاس استعمال شدہ بنیاں پانچ فرانک فنی کے حساب سے بھی موجود ہیں۔ کیڑے کھوڑے مفت"

"ترے بیاں" سنان اپنے اکلوتے سرمایہ فرانسیسی پر اتر آیا۔

بنیاں خرید کر وہ دونوں چھوپلوں کے بازار میں سے گزر کر سڑک پر آگئے جہاں پاسکل کی کار کھڑی تھی۔ سنان نے بنیاں پچھلی نشست پر رکھ دیں اور آگے بیٹھ گیا۔ پاسکل کھڑی رہی۔

"کیا بات ہے کار میں کیوں نہیں پیش تھیں؟"

"تم نے مچھلیوں کے کھانے کے لیے تو نفلی کیڑے کھوڑے خرید لیے ہیں گرا اپنے لیے کچھ نہیں خریدا۔ اگر میں غلطی پر نہیں تو پکنک کے لیے خوراک کی بھی ضرورت ہوتی ہے"

"درست فرمایا پاسکل بی بی!" سنان نے کار سے نکل کر پاسکل کے آگے جھک کر کما اور اس کا بازو تھام کر سڑک کے پار ایک قوہ خانہ میں چلے گئے۔

کاؤنٹر کے پیچھے قوہ خانے کا دراز قد سیاہ موچھوں والا ماںک آج کے پسلے گاہک کے انتظار میں کھڑا جمائیاں لے رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر اس کی موچھیں نہنوں سے بھڑنے لگیں اور وہ مسکرا دیا۔ پاسکل نے سنان کے مشورے کے مطابق سلاو، تازہ پھل، پنیر اور سوکھا گوشت وغیرہ خرید لیا۔ قوہ خانے کے ماںک کی آنکھیں اس دوران میں سنان پر گلی رہیں اور اسے بغور دیکھتا رہا جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ قدرے تاں کے بعد اس نے سنان سے مخاطب ہو کر فرانسیسی میں کچھ کہا۔ پاسکل نے

ترجم کے فرائض انجام دیتے ہوئے ہیا کہ پوچھ رہا ہے کہ کون سے ملک سے آئے ہو؟

شان کے منہ سے انہی پاکستان کے الفاظ پوری طرح ادا بھی نہ ہوئے تھے کہ اس نے گرم جوشی سے کاؤنٹر کے پیچے کڑے کڑے اس کے کندھے پکولیے۔
”الحمد لله“ لجہ خالصتاً عین تھا۔

کر کے گرد بندھا ہوا سفید اپرن اتار کروہ کاؤنٹر کے پیچے سے باہر نکل آیا اور شان کو گلے لگا کر اس کے دونوں گالوں پر بوسہ دیا (شان کو اب معلوم ہوا کہ فرانسیسیوں نے یہ عادت کمال سے مستعار لی تھی)۔

”الحمد لله مسلمان“ وہ کہہ رہا تھا ”الجزائری محمد بکر۔“

الجزائر کے رہنے والے محمد بکر نے مہمان نوازی کا ایسا بھروسہ مظاہرہ کیا جیسے شان اور پاسکل پیرس کی کسی قوہ خانے کی بجائے صحراء میں اس کے خیسے میں مہمان بن کر آگئے ہوں۔ کافی پلاں۔ سینڈوچ کھلانے اور جاتے وقت خوراک کی ٹوکری میں ایک کرم کیک تھنے کے طور پر رکھ دیا۔

”اس الجزائری نے اس طرح تمہارا استقبال کیا ہے جیسے تم آپس میں رشتہ دار ہو۔“

پاسکل نے قوہ خانے سے باہر قدم رکھتے ہی بڑی حیرت سے کہا۔

”ہم دونوں ایک ہی ڈور میں بندھے ہوئے ہیں جس کا نام اسلام ہے ہاں! ہم اس ناطے سے رشتہ دار ہوتے ہیں۔“

پاسکل بے حد متاثر نظر آ رہی تھی۔

ایک مرتبہ پھر کارکنگورو کے چوک میں سے دائیں ہاتھ مڑی۔ شانز کو طے کر کے وہ فتح کی محراب تک آ گئے جس کے گرد ایک بڑے گول چکر میں سینکڑوں کاریں چیزوں کی مانند رینگ رہی تھیں۔ بارہ خوبصورت سڑکیں اپنی ساری ٹریفک اس گول چکر میں اگل رہی تھیں اور پھر وہی ٹریفک دوبارہ انہی سڑکوں میں جذب ہو جاتی۔

ہوئے ڈی بولون" فتح کی محاب کے دوسری طرف نکلتی ہوئی سڑک ایونینوفاک کے
مرے پر تھا۔ پاسکل نے اپنی نئی منی کار گول چکر میں ڈال دی جو دیو قامت ٹرکوں
اور لبی امریکی کاروں کے درمیان واقعی چیوتی کی طرح لگ رہی تھی۔ خاصی دیر کے
بعد سنان کو احساس ہوا کہ پاسکل ایونینوفاک میں مژنے کی بجائے متواتر گول چکر کے
گرد گھومے جا رہی ہے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" سنان نے جیران ہو کر پوچھا۔

"پاسکل سنی ان سنی کیے چکر کے گرد ہی کار چلاتی رہی۔ اس کا چڑہ چکیلی دھوپ
کے اڑ سے سرخ ہو رہا تھا۔

"آخر تم ایونینوفاک میں کار کیوں نہیں موڑتیں؟ یوں فتح کی محاب کے گرد بے
شند چکر کیوں کاٹ رہی ہو؟" سنان نے پھر پوچھا۔

"میں آج بے حد خوش ہوں!" پاسکل نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

"مان لیا! مگر ہم پچھلے دس منٹ سے ایک ہی دائرے میں گھوم رہے ہیں!"

"میں اگر رقص نہیں کر سکتی تو کیا ہوا؟" پاسکل کی نیلی آنکھیں چمک رہی تھیں
اکم از کم کار میں بیٹھ کر ایک دائیے میں تو گھوم سکتی ہوں۔ ایک دو تین۔ اور
گھوم جاؤ۔ ایک دو تین اور۔"

پاسکل ایک دو تین کے الفاظ جلدی سے ادا کرتی اور پھر گھوم جاؤ کہتے کہتے پوری
محاب کے گرد چکر کاٹ لیتی۔ سنان اس صورت حال سے بے حد پریشان ہوا اور اسے
بڑی مشکل سے سمجھایا کہ اکثر کاروں کے ڈرائیور انہیں بری طرح گھور رہے ہیں بلکہ
ابھی ابھی ٹریفک کے سپاہی نے ان کی اس حرکت کو دیکھ کر سیئی بھی بجائی ہے۔

بالآخر پاسکل نے کار ایونینوفاک میں موڑ دی اور وہ نیولی کے پل سے دائیں ہاتھ
ہو کر بوجے ڈی بولون کے علاقے میں آگئے۔ پاسکل کا فلیٹ پیچھے رہ گیا تھا۔ انہوں نے
فٹ پاٹھ کے کنارے پر کار کھٹی کی اور اسی راستے پر چلتا شروع کر دیا جہاں چند روز
کل سنان کمپنگ کی تلاش میں سرگردان تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں خوراک کی

ٹوکری جھول رہی تھی اور کندھوں پر بنسیاں اخبار کی تھیں۔ پاسکل سارے کے پہنچ اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

”کتنی عجیب بات ہے کہ میں یہاں پاس ہی رہتے ہوئے بھی کبھی اس طرف نہیں آئی؟“ پاسکل کہہ رہی تھی۔

”اور میں۔۔۔“ سنان نے خوراک کی ٹوکری جو اب قدرے وزنی لگ رہی تھی دوسرا ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے کہا ”اتھی دور رہتے ہوئے بھی آج یہاں آٹھا ہوں۔۔۔“

”صرف میرے لیے۔۔۔ ہے نا سنان؟ تم اتنی دور سے یہاں صرف میرے لے آئے ہو۔۔۔“ پاسکل کھڑی ہو گئی۔

”ہاں صرف تمہارے لیے۔۔۔“ سنان نے اس کا بازو تھام لیا اور وہ دونوں پھر پڑھ لگے۔

ٹھوڑی دور چلنے کے بعد رہائشی مکانوں اور ہاؤس بوٹوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اب فٹ پاٹھ کے ساتھ ساتھ ایک آہنی جنگلا جا رہا تھا جس کے ساتھ ایک سریز ڈھلوان نیچے دریا تک جاتی تھی۔ چند گز کے فاصلے پر جنگلے کے درمیان ایک سفید رنگ کا چھانک دکھائی دیا۔ سنان نے چھانک کا بھاری کنڈا کھول دیا اور وہ پتھر کی بنی ہوئی سیریز ہیوں سے اتر کر نیچے دریا کی سطح تک آگئے۔ فٹ پاٹھ اور سریز پر واقع رہائشی مکان نظروں سے او جھل ہو چکے تھے اور ان کی جگہ اب صرف سبزے کی ٹھیں اور درختوں کے جھنڈے تھے سامنے دریائے میں بہ رہا تھا۔ شر کے درمیان میں سے گزرنے والے دریا کے حصے کی نسبت یہ حصہ زیادہ خوبصورت اور پسکون تھا۔ یہاں دریا کے ساتھ ساتھ چوڑے فٹ پاٹھ کی بجائے صرف گھاس اور جنگلی بیٹیں تھیں۔ شر میں بنتے والا دریا شریوں کی ماںند آراستہ و پیراستہ تھا۔ سینہٹ کے فٹ پاٹھ پہنچنے کے لیے نکڑی کے نیچے۔ ارد گرد تاریخی عمارتیں اور پھر درجنوں خوبصورت پل۔۔۔ لیکن یہاں وہی دریا ایک دیہاتی دو شیزوں کی ماںند تھا جس کا حسن صرف قدرتی ماحول میں گھرا۔

دریا کے ساتھ ساتھ دور تک شاہ بلوط اور بید کے گھنے درخت کھڑے تھے۔ جنگل پہلیں دریا کی سطح تک آئی ہوئی تھیں۔ ہوا چلتی تو ان کے خوشنما پھول اور ہرے بھرے پتے دریا کے پانی میں جھک کر ڈکی لگاتے اور پھر باہر آ جاتے جیسے کوئی راج نہ اپنی پیاس بجھا رہا ہو۔ سورج کی کرنوں میں اب حدت نمایاں ہو رہی تھی۔

نان نے درختوں کے جھنڈ میں ایک سایہ دار اور پر سکون جگہ کا انتخاب کر کے وہاں اپنی سفید بر ساتی بچھا دی اور پاسکل کو بیٹھنے کے لیے کہا۔

”شکریہ موسیو“ پاسکل نے ایک نازک انداز میلے رینا کی مانند دونوں ہاتھوں سے اپنے سفید لباس کے کونے پکڑ کر انہیں قدرے اور پر انھیا اور پھر سفید بر ساتی پر ایک خوبصورت راج نہ کی مانند برا جمان ہو گئی۔

نان اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ اس وقت بے حد حسین لگ رہی تھی۔
”نان!“

”ہوں؟“ اس نے ایک دم چوک کر کہا۔ ”کیا ہے؟“

”وہ بے چاری مچھلیاں اپنے کیڑے کوڑوں کا انتظار کر رہی ہوں گی۔“ راج نہ کا چہرہ ایک پھول کی مانند کھلا ہوا تھا۔

”ہاں۔۔۔ تم یہیں بیٹھو“ نان نے جھک کر بنیاں انھالیں مگر اس کی نظریں ابھی تک پاسکل پر جمی تھیں۔ سفید بر ساتی اور سفید لباس کے پس منظر میں صرف اس کا خوبصورت گول چہرہ نمایاں تھا۔

”کیا دیکھ رہے ہو نان؟“ پاسکل کی نیلی آنکھیں بے حد شفاف تھیں۔

”بلیں۔۔۔ یو تانی دیو مala کے بارے میں میری معلومات تمہاری طرح وسیع نہیں ورنہ میں بھی تمہیں کسی حسین دیوی سے تشبیہ دے دیتا۔“

پاسکل نے فوراً نظریں جھکا لیں ”وہ بے چاری مچھلیاں۔۔۔“

”جاتا ہوں بھئی“ نان نہ دیا۔ وہ بنیاں اور نعلیٰ کیڑے کوڑوں کی ڈیا لے کر

جانے کو تھا کہ اسے پکج یاد آگیا۔ پھولوں کے بازار سے خریدا ہوا کانگڈ میں لپڑا زد
گلاب ابھی تک اس کی جیب میں تھا۔

”پاسکل“ اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور راجہ نہیں پر جھک گیا۔

”سان لوگ دیکھ رہے ہیں“ پاسکل ایک دم گھبرا گئی۔

”تم غلط سمجھ رہی ہو“ سان مسکرا دیا اور جیب میں سے گلاب کا پھول نکلا اور
پاسکل کے سفید لباس پر لگا دیا ”میں نے تمہارے لیے پھولوں کے بازار میں سے خریدا
تھا۔“

”شکریہ“ اس نے گروں جھکا کر پھول کی مہک محسوس کی ”لوگ دیکھ بھی رہے
ہوں تو کیا فرق پڑتا ہے ہوں؟“

”می نہیں“ سان نے سر ہایا اور بنسیاں کندھے پر رکھ کر دریا کی جانب چل
دیا۔

دریا کا پانی دھلی دھلانی سفید چادر کی ماہنگ سلوٹوں سے پاک تھا اور اس پر ایک
پر سکون جھیل کا گمان ہو رہا تھا۔ دوسرے کنارے پر جنگل زیادہ گھنا تھا یا کم از کم
وکھائی دے رہا تھا۔ کبھی کبھار کوئی کشتی ران دریا کی سطح کو چیرتا ہوا نیولی کے پل کی
جانب سے لکلتا تو تلاطم برپا ہو جاتا۔ ہلکی لبریں کناروں تک پہنچتیں اور چھپاک چھپاک
پھولوں اور پھولوں کو بو سے دیتیں۔ سان وہیں گھاس پر بیٹھ گیا اور دونوں کنڈیوں کے
ساتھ ایک ایک نقلی مینڈک لگا کر انہیں پانی میں ڈال دیا۔ بنسیوں کو کنارے کے
ساتھ گیلی میں اچھی طرح گاڑھ کر دہ وابس پاسکل کے پاس آگیا جواب سفید
بر ساتی پر لپٹیا ہوئی ”پیرس دیکلی انفریشن“ کے صفحات پلٹ رہی تھی۔ دھوپ کی
تمازت سے اس کا چڑواں بھیسو کا ہو رہا تھا۔

سان نے اپنا نیلا کوٹ اتارا اور پاسکل کے پہلو میں بچا کر وہیں بیٹھ گیا۔ وہ رسالہ
پڑھنے میں مگن رہی۔

”اس میں دیکھ کر بتانا کہ کل لودر کا عجائب گھر کھلے گا یا نہیں؟ کبھی کوئی دوست

ل جاتا ہے اور کبھی وہاں تعطیل ہو جاتی ہے۔ میں کل ضرور دیکھنا چاہتا ہوں" "سان
ل پرچھا۔

"کل بہت دور ہے۔ اس وقت میں صرف آج کے بارے میں سوچ سکتی ہوں" "سان
اں نے رسالہ پھیلا کر اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور گفتگو نے گئی۔

"ہے پاسکل بی بی" سان نے رسالے پر اس جگہ انگلی بجائی جہاں اس کی ستواں
ہل ابھری ہوئی تھی "اگر مجھے صرف مچھلیوں کی رفاقت ہی پسند ہوتی تو بازار سے
ربن بھر خرید کر اپنے کمرے میں ٹائک لیتا اور خوش ہو جاتا۔ بھلا اتنے تردود کی کیا
مدورت تھی؟"

"میرے عین اوپر درختوں کے پتے بے حد چھدرے ہیں۔ سورج کی تیز کر نہیں
ہبھن چھن کر میرے چہرے پر ڈھرنی تھیں۔ اس لیے میں نے رسالہ اوپر رکھ لیا۔"
اس نے رسالے کا ایک کونا اٹھا کر سان کی جانب دیکھا اور پھر آنکھیں موند لیں
"تم باقیں کرتے رہو۔ میں سن رہی ہوں۔"

سان نے ایک نظر کنڈیوں کی جانب دیکھا جو ابھی تک ساکن پانی کی سطح پر تیر
رہی تھیں اور وہیں نرم اور مٹھنڈی گھاس پر بچھے اپنے نیلے کوٹ پر لیٹ گیا۔ پاسکل
لے نیک کہا تھا۔ سان کے کبھی عین اوپر چتوں میں سے دھوپ کے دائرے چکتے اور
آنکھوں کو خیرو کر کے غائب ہو جاتے ہوا سرسراتی ہوئی گھنے چتوں میں سے گزرتی تو
ایک بیم سے شور کے ساتھ خوشنوار خنکی کا احساس ہوتا۔ آج کا دن کافی گرم تھا۔
ایسا کی چکلی سطح پر سورج کی ترجمی کرنیں جذب ہو رہی تھیں۔ غبار کی ایک دھنڈی
پانی پر معلق تھی۔

سان کی آنکھیں بند ہوئے گئیں۔ اسے بے حد نیند آ رہی تھی۔ دوسرے
کنارے کے گھنے درختوں میں کوئی جنگلی پرندہ چھما نے لگا۔ اسے گریبوں کی وہ چیزیں
لیکر یاد آ گئیں جب وہ اپنے گاؤں سے نکل کر راہت کی جانب جاتا ہوا راستے میں
پر خار اور چھداری چھاڑیں میں دم لینے کے لیے رکتا تو شاخ پر